# علم، علماء، شریعت اور طریقت کے حوالے سے حضرت سلطان باہوؒ کے نظریات کا ایک تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

*ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال

Hazrat Sultan Bahoo was one of the famous saints of Punjab and his poetry is in Rachnavi .Rachnavi is a main and central accent of Punjabi language. Basically this oldest language of this region is extension of Harappa culture. Now days, it is being used to speak by the natives of central Punjab between Lahore and Multan and from Sargodha to Bahawalnagar Districts even in the state of Bikaner India. The above said area has rich traditions of Sufi poetry. This Article is a summary of arts and thoughts of the Rachnavi Sufi poet Hazrat Sultan Bahoo. Especially this is a critical review of his thoughts about Knowledge, Ulama, Shariah and Triqah(Sufi's method to achieve the truth).

پنجاب کے صوفی شعراء میں حضرت سلطان باہوؒ کو ممتاز ترین مقام حاصل ہے۔وہ ۱۶۳۱ء بمطابق ۱۰۳۹ھ میں شاہجہان کے دور میں موضع اعوان، شور کوٹ ضلع جھنگ، کے اعوان خاندان میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد بایزید محمد ایک صالح، شریعت کے پابند، حافظ قرآن، فقیہہ اور سلطنت دہلی کے منصب دار اور جاگیردار تھے۔(1) اپنے تعارف کے حوالے سے حضرت باہوؒ خود فرماتے ہیں۔

سرّ اسرار ذات یا ھو فنا فی ھو فقیر باھوؒ
عرف اعوان ساکن قرب وجوار قلعہ شور(2)

انہوں نے ظاہری علوم کا اکتساب با قاعدہ اور روایتی انداز میں نہیں کیا تھا۔ اپنے ایک شعر میں انہوں نے اس امر کی جانب یوں اشارہ کیا ہے کہ: ''اگر چہ میں ظاہری علوم سے محروم ہوں لیکن علم باطنی نے میری زندگی پاک کر دی ہے''(3)۔تاہم یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ آپ ظاہری علوم سے قطعی بے بہرہ تھے۔ ان کی تصانیف کی طویل فہرست جو عربی، فارسی اور پنجابی زبانوں پر مشتمل ہے، سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف اپنے عہد کی علمی زبانوں پر عبور حاصل تھا بلکہ وہ مذہبی علوم سے فیض یاب بھی ہوئے تھے۔

دراصل انہوں نے اپنی والدہ راستی بی بی سے تمام ضروری علوم حاصل کیے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ

*ڈائریکٹر بہاولنگر کیمپس/ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

نے اپنے والد سے بھی اکتسابِ علوم کیا ہو جیسا کیونکہ ان کے والد بھی بلند پایہ عالم دین تھے، غیر روایتی طور پر علوم کے اکتساب کی مثالیں تاریخ اسلامی سے دیگر کئی اسلاف کی بھی دی جا سکتی ہیں۔(4) جہاں تک باطنی علوم کے حصول کا تعلق ہے سلطان باہوؒ نے اس باب میں اوّل اوّل اپنی والدہ بی بی راستی سے اکتساب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ انہیں اپنا مرید بنالیں۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور بیٹے کو کسی اور کا مرید ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر سلطان باہوؒ مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ تلاش انہیں شورکوٹ کے جنوب میں گڑھ بغداد نامی آبادی کی جانب لے گئی، جہاں سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ شاہ حبیب اللہ قادریؒ (5) مقیم تھے۔

حضرت شاہ حبیب گیلانی سید ہیں اور حضرت عبدالرزاق خلف الصدق حضرت غوث الاعظم محبوب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید فتح اللہ بغداد شریف میں بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت بھی بغداد شریف میں ہوئی۔ بارہ برس کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو کر چلہ کشی میں مشغول ہوئے۔ اس کے بعد حضرت غوث الاعظمؒ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ تم ملک پنجاب میں 'سدھ نیں (سدھنائی، عبدالحکیم)' کے قریب جا کر سکونت اختیار کرو اور وہاں موضع بغداد آباد کرو۔ آپ نے یہاں پہنچ کر پھر بارہ برس عبادت اور چلہ کشی میں گزارے۔ موضع بغداد، دربار مغلیہ سے بطور جاگیر عطا ہوا۔ یہیں آپ کا مزار ہے۔

بہر طور سلطان باہوؒ، شاہ حبیبؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد شاہ حبیبؒ نے انہیں اپنے پیر سید عبدالرحمٰن (6) سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ سید عبد الرحمان قادری کے بارے میں جو معلومات دستیاب ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مغلیہ دارالحکومت میں رہتے تھے اور روایتی معنوں میں صوفی نہیں تھے۔ شاہی منصب دار تھے۔ اور بظاہر دنیاداری کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن درحقیقت روحانی ارتقاء کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ سید عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھے۔ چنانچہ سید عبدالرحمٰن سے ملنے سلطان باہوؒ دہلی پہنچے۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت کا واقعہ ہے۔ چونکہ ان کا تعلق قادری مکتبۂ فکر سے تھا اور وہ دارا شکوہ کے حوالے سے عالمگیری تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان باہوؒ کی دارالحکومت میں موجودگی کو شک وشبہ کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہو گا۔ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن لکھتی ہیں کہ عالمگیر ان کے بارے میں اطلاعات منگواتا رہتا تھا (7)۔ قیام دہلی کے دوران حضرت باہوؒ کے خود شہنشاہ ہند یا اس کے اہل کاروں کے ساتھ تضادات پیدا ہوئے تھے۔ غالباً دہلی سے واپسی کا سبب بھی یہی تھا۔

علوم وفنون کی باقاعدہ عدم تحصیل کے باوجود تصنیف وتالیف سلطان باہوؒ کا مشغلہ تھا۔ یہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک سو چالیس کے قریب کتب لکھی تھیں۔ ان میں سے بہت سی زمانے کی خرد برد کی نذر ہو چکی ہیں۔ تاہم اب بھی ان کے بعض رسالے اور کتب دستیاب ہیں۔ یہ کتب عربی اور فارسی زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ جملہ دستیاب کتب کے اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں۔ سلطان باہوؒ کے چند مخصوص موضوعات ہیں۔ حضرت باہوؒ کا مطالعہ فی الواقعہ ہماری دیہاتی دانش کا مطالعہ ہے۔ سلطان باہوؒ محکم الفقراء میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو علم و ہنر کی وقعت کے قائل نہیں، لکھتے ہیں:

''علم اور عالم کا دشمن تین قسموں سے خالی نہیں ہوتا۔ کافر ہوتا ہے یا فاسق یا جاہل اور فقر کا دشمن بھی اسی طرح حاسد ہوتا ہے یا منافق یا کاذب غافل مردہ دل۔ جاہل تین قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ جاہل کافر جو کلمۂ طیبہ نہ پڑھے۔

۲۔ وہ جاہل جو اللہ تعالیٰ کو ظاہر و باطن حاضر و ناظر نہ جانے۔

۳۔ وہ جاہل جو کمینی دنیا کا پرستار اور اپنی خودی میں مست ہو'' (8)۔

اسی طرح محکم الفقراء خورد ہی میں زندگی کے مادی لوازمات پر بحث کرتے ہوئے سلطان باہوؒ رقم طراز ہیں:

''دنیا کا ذکر بالکل شیطانی بات ہے۔ نفس شیطانی ہے اور دنیا لٹیری۔ روپیہ پیسہ سے دوستی وہی رکھتا ہے جو خدا کا دشمن ہو۔ دنیا سراسر شرک ہے اور ریاکار لوگ کفر وغرور میں ہیں۔ دنیا دار آدمی مفلس ہے۔ دنیا کا مکان بخیل کا گھر ہے۔ جو شخص ایماندار رہ کر مرا وہ اپنے ساتھ سو خزانے لے گیا اور جو بے ایمان ہو کر دنیا سے گیا وہ ناداروں میں مرا۔ وہ زبان سے دنیا دنیا پکارتا ہوا سو گناہ لے گیا۔ عارفوں کے لیے دنیا کو ترک کرنا ہی عزت وہ مرتبے کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قل متاع الدنیا قلیل﴾ (کہہ دیجیے کہ دنیا کا سرمایہ قلیل ہے)''۔ پس دنیا کی اصل خون حیض ہے۔ دنیا کا طالب وہی ہوتا ہے جو ولد الزنا اور ولد الحیض ہو یعنی بالکل حرامی۔ حرام کی طلب میں لگا ہو'' (9)۔

یہی مضمون ان کی رچناوی سی حرفی کے اس بند سے یوں مترشح ہے۔

ے ایہہ دنیا زن حیض پلیتی، ہرگز پاک نہ تھیوے ہو
جیں فقر، گھر دنیا ہووے، لعنت اس دے جیوے ہو

حب دنیا دی رب تھیں موڑے، ویلے فکر کچیوے ہو
سہ طلاق دنیا نوں دیئیے، جے باہو سچ پچھیوے ہو(10)

وہ فلسفیانہ موشگافیوں سے گریز کرتے ہیں۔ سیدھی سادی باتیں خطیبوں جیسے انداز میں کہے چلے جاتے ہیں۔ نثری نگارشات کے علاوہ دو شعری مجموعے بھی سلطان باہوؒ سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ ایک مجموعہ فارسی زبان میں ہے اور دوسرا رچناوی میں۔ سلطان باہوؒ کی موجودہ شہرت کا انحصار ان کی رچناوی شاعری پر ہے۔ اسی نے انہیں حیات جاوداں عطا کی ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اس شاعری کو درخور اعتنا تصور نہیں کرتے تھے۔ اور مرزا غالب اور علامہ اقبال کی طرح فارسی میں شعر کہنا پسند کرتے تھے۔ رچناوی بولی میں یہ دیوان بھی ان کی وفات کے بعد مرتب کیا گیا تھا۔ بہرطور اس باب میں ہم سلطان باہوؒ کے نظام فکر کا مطالعہ پیش کرتے ہوئے ان کی رچناوی شاعری کے علاوہ ان تمام نثری تصانیف کو بھی پیش نظر رکھیں گے جو فی زمانہ دستیاب ہیں۔ ان کی وجہ شہرت شاعری سہی لیکن ان کے پورے نظام فکر کا فہم حاصل کرنے کے لیے دیگر تصانیف کو نظر انداز کرنا محال ہے۔

اس صوفی دانش ور کا تعلق تصوف کے قادری مکتبہ فکر سے تھا۔ یہ تعلق اس قدر شدید تھا کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں جابجا اپنے روحانی سلسلے کی عظمت کا چرچا کیا ہے اور عمومی صوفیانہ رجحان کے برعکس قادری سلسلے کے علاوہ دیگر صوفیانہ سلسلوں کو گمراہ کن، ہیچ اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔(11) دراصل وہ قادری مکتبہ فکر کے دائیں بازو کی نمائندگی کرتے ہیں جس سے وابستہ دانشور راسخ الاعتقادیت کے زیر اثر رہے تھے اور اپنے کائناتی نقطۂ نظر کی تشکیل عقیدہ پرستی کے حوالے سے کرتے تھے۔

تاہم ہمیں اس امر کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ فرقہ پرستی کا یہ رویہ سلطان باہوؒ کی نثری تحریروں تک محدود ہے۔ شاعری اور خصوصاً پنجابی (رچناوی) شاعری میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ سترہویں صدی کے دیگر قادری دانش وروں سے زیادہ مختلف نہیں۔ چنانچہ شاعری میں ایک جگہ کہتے ہیں کہ: ’’میں سنی ہوں نہ شیعہ۔ میرا دل ان دونوں سے دکھا ہوا ہے‘‘

نہ میں سُنّی نہ میں شیعہ، میرا دوہاں توں دل سڑیا ھو
مُک گئے سبھے خشکی پینڈے، جدوں دریا وحدت وچ وڑیا ھو
سئے مُتارے تَرتَر ہارے، کوئی کنارے چڑھیا ھو
چڑھ گئے پار کنارے باھو، جنہاں مرشد دا لڑ پھڑیا ھو(12)

اور یہ کہ عارفوں کا مذہب عشق وعرفان ذات حق ہے۔ وہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ عشاق صرف مسجدوں میں جا کر سجدے نہیں کرتے۔ وہ تو ہر لحظہ محبوب کے حضور رہتے ہیں''

؎ نہ اوہ ہندو نہ اوہ مومن، نہ سجدہ دین مسیتی ھو
دم دم دے وچ ویکھن مولا، جنہاں قضا نہ کیتی ھو
آہے دانے تے بنے دیوانے، جنہاں ذات صحیح ونج کیتی ھو
میں قربان تنہاں توں باھو، جنہاں عشق بازی چُن لیتی ھو (13)

اور ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ: ''میں نہ تو جوگی ہوں اور نہ ہی جنگم۔ نہ ہی مسجدوں میں جا کر لمبی لمبی عبادتیں کرتا ہوں۔ نہ ہی ریاضتیں کرتا ہوں۔ میرا ایمان محض یہ ہے کہ جو لمحہ غفلت کا ہے وہ لمحہ کفر کا ہے

؎ نہ میں جوگی نہ میں جنگم نہ میں چلّا کمایا ھو
نہ میں بھج مسیتی وڑیا نہ تسبا کھڑکایا ھو
جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہہ فرمایا ھو
مرشد سوہنی کیتی باھوؒ پل وچ جا پہنچایا ھو (14)۔

صوفیانہ مابعد الطبیعات کے ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ وحدت الوجودی خیالات سلطان باہوؒ کی شاعری میں کثرت سے ملتے ہیں۔ تاہم یہ فلسفہ ان کے نظام فکر کی بنیاد نہیں بنا سکا۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ وہ وحدت الوجود کے فلسفے کو ایک کائناتی نقطۂ نظر کے طور پر قبول نہیں کرتے۔ زندگی اور کائنات کے بارے میں ان کا یہ رویہ اس فلسفے سے ہم آہنگ نہیں, نہ ہی وہ اپنے عہد کے دیگر قادری دانش وروں کی طرح وحدت الوجود کے سماجی اور مذہبی نتائج کو قبول کرتے ہیں۔ یہ فلسفہ ان کے ہاں محض ایک صوفیانہ اور شاعرانہ تعقل رہتا ہے۔ (15)

ان کا نقطۂ نظر دیگر وحدت الوجودی فلاسفہ سے ہم آہنگ بھی ہے، لیکن وہ اسے مستحکم بنیاد نہیں بناتے بلکہ وحدت الوجود کی ایسی توجیہہ کرتے ہیں، جسے راسخ الاعتقادیت سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔ چنانچہ فنا کے تصور کی توجیہہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس سے عام مراد، ذات باری تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل کرنا ہے لیکن انتہائی فنا یہ ہے کہ نفس شیطان سے کنارہ کش ہو۔ (16)۔ ظاہر ہے کہ یہ زاویۂ نگاہ دیگر وحدت الوجودی صوفیاء کے نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے۔ راسخ الاعتقادی کی جانب اسی رجحان کے حوالے سے سلطان باہوؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کی مانند طریقت پر شریعت کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

’’بعض طریق والے کہتے ہیں اور اکثر سنا بھی جاتا ہے کہ نفلی روزے رکھنا روٹی کی بچت ہے اور نماز ادا کرنا بیوہ عورتوں کا کام ہے اور حج کرنا جہاں کی سیر کرنا ہے۔ دل ہاتھ میں لانا البتہ مردوں کا کام ہے۔ (لیکن درحقیقت) جو ایسا کہتے ہیں غلط کہتے ہیں بلکہ وہ خود پریشان حالت بدمذہب جو دم کو بند کر کے دل کو جنبش دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اور رسم تو کافروں کی ہے۔ بہتر تو یہ کہ تو ان مردہ دلوں کا منہ نہ دیکھے‘‘۔(17)

ان خیالات کا اظہار محکم الفقراء میں بھی کیا گیا ہے۔ اسی رسالے میں آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ:

’’آدمی سب سے افضل ہے۔ کوئی چیز انسان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی۔ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے، سب انسان کے لیے کیا گیا ہے اور آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور جو شناخت کی طلب نہیں کرتا وہ بمنزلہ حیوان ہے۔ اس کے بدلے جمادات اور نباتات یا اور کسی قسم کے حیوانات پیدا ہوتے تو بہتر تھا۔ ان آدمیوں کی اوقات پر لعنت ہے جو کتے، گائے اور بھیڑوں کی طرح ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اپنی بے وقوفی کے سبب قیامت کے دن دیدار الٰہی کے اُمیدوار بنتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ چنانچہ ایک بزرگ نے بطور اشارہ لکھا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی اُمت وہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی پیروی کرے۔ پیرو کے معنی ہیں قدم بقدم چلنے والا یعنی جہاں پر آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک کے نشان ہیں وہاں پر اپنا قدم پہنچائے۔ جب خود وہاں نہ پہنچے گا تو پھر وہ پیرو کس طرح شمار ہوگا۔ پیروی صرف کہنے کو نہیں کہہ سکتے بلکہ قدم بقدم چلنے کا نام ہے۔ اس سے قیاس کرلو کہ پیغمبر خدا ﷺ کہاں تک پہنچے ہوں گے۔ جو شخص اپنے آپ کو وہاں تک نہیں پہنچاتا وہ پیروی سے باز رہ جاتا ہے اور جب پیروی سے باز رہا تو اُمت میں کس طرح شمار ہوسکتا ہے‘‘(18)۔

شریعت کو طریقت پر ترجیح دینے کے باب میں سلطان باہوؒ کے یہ خیالات شیخ احمد سرہندی کے افکار سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کے زمانے تک پنجاب میں شیخ کے خیالات کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ ان کی رچناوی شاعری میں اس باب میں ان کے خیالات کی تصویر اس کے بالکل ہی برعکس دکھائی دیتی ہے(19) اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں بے روح روزے اور نمازیں و دیگر عبادات، بلا خشوع و خضوع اور ریاکاری سے پُر نوافل اور بلا ذوق وشوق چلّے اور بلا عشق الٰہی زُہد و تقوے بے فائدہ کام ہیں۔ چنانچہ ان کے یہ خیالات شریعت اسلامی کے برعکس نہیں ہیں بلکہ عین مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں آپؒ کا علوم وفنون اور صوفیانہ و غیر صوفیانہ نظریات کی کشمکش اور آویزش کے گڑھ ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی میں سید عبدالرحمٰنؒ کے ہاں قیام اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونا، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی آویزش سے نہ

صرف ان کا آگاہ ہونا لازم کرتا ہے بلکہ تختِ سلطنت کی قوت کی آڑ میں وحدت الوجودی فلسفہ کو اپنانے اور شریعت کو ترک کرنے کے نتائج وعواقب سے بخوبی واقفیت ان کے پہلے خیالات میں اصلاح اور جدت کا باعث بنی ہوگی۔ اور کچھ بعید نہیں کے ہمارے ممدوح صوفی دانشور نے اپنے مرشد کی زیرِ تربیت مقاماتِ سلوک طے کرتے ہوئے ایک طرح کے تقابلی اور تنقیدی مطالعہ کے بعد ان خیالات کو اخذ کیا ہو۔ صوفیاء ،فلاسفہ اور دانشوروں کے ہاں نظریات کی تجدید و اصلاح اور پختگی کے ارتقائی مراحل کوئی نئی بات نہیں۔ ہمارے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دربار اور اہلِ دربار سے ان کے تضادات دہلی سے آپ کی واپسی کا باعث بنے۔ ظاہر ہے کوئی بھی خودسر اور خود پرست حکومت آخر شیخ سرہندیؒ جیسے خیالات رکھنے والے کسی زبان آور صوفی کو آخر کیسے برداشت کرسکتی ہے؟ ان کو تو ایسے مافوق الفطرت دیومالائی وحدت الوجودی خیالات ونظریات راس آتے ہیں جو ان کو ظل الٰہی ثابت کریں اور ان کے اقتدار کی طوالت اور انسانوں کی گردنوں پر سوار رہنے کا باعث بنیں۔

چنانچہ شریعت کو طریقت پر ترجیح دینا ہی دراصل صوفیائے راسخین کا وطیرہ رہا ہے، اسی لیے تو اپنی دیگر تصانیف میں انہوں نے کثرت سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

بیروں منہ قدم زشریعت محمدیؐ
گر عارفی تو محرم اسرار شو حقیقت

سلطان باہوؒ کے نزدیک مرشد کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ سنت نبویؐ کو زندہ کرے اور بدعت کو مٹائے (20)۔ کیونکہ شریعت کی پابندی کے بغیر حق کی جستجو محال ہے (21)۔ جو شخص مذہبی قانون پر چلنے کے بغیر اپنی شیخ زادگی کے بھروسے سے رہبری اور پیشوائی کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ یعنی اگر اس کا ایک فعل بھی شرع محمدیؐ کے خلاف ہے تو وہ صوفی نہیں بلکہ شیطان ہے۔ اس سے بالکل کنارہ کشی کرنی چاہیے (22)۔ پس جو لوگ خلاف شرع ہیں وہ معرفت سے محروم ہیں (23) صحو اور سکر کے پرانے صوفیانہ مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سلطان باہوؒ راسخ الاعتقاد صوفیاء کی طرح اوّل الذکر کو مؤخر الذکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ ''دیوانہ سب سے بے گانہ اور ہشیار شریعت شہسوار اور عارف نظارہ ہوتا ہے'' (24)۔ جو شخص معرفت الٰہی میں یگانہ ہوجاتا ہے۔ وہ مجذوب یا دیوانہ نہیں ہوتا۔ بلکہ فقر کے انتہائی مقام پر پہنچ کر شریعت کی پابندی اور بھی ضروری ہوجاتی ہے (25)۔ طالب حق کسی مقام پر بھی مذہبی قانون کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرسکتا (26) وہ شریعت پر قدم بقدم چلتا ہوا منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔

بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ تمام تصورات، رسائی اور حوالہ جاتی نظام راسخ الاعتقاد علما اور اہل ظاہر سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے سلطان باہوؒ کا علمائے ظاہر سے کسی تضاد کے موجود ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم حقیقی صورت حال اجو اس سے بالکل مختلف نظر آتی ہے، ان کے نظام فکر میں علمائے ظاہر اور مذہبی قانون کے محافظ ہمیشہ ایک ولن کی صورت میں سامنے آتے ہیں اور ان کی شدید نکتہ چینی اور طنز کا معروض ہیں۔ ان لوگوں پر حضرت باہوؒ کی نکتہ چینی کا آغاز عالمگیری دور کے علما کی منافقت، دنیا پرستی، جاہ طلبی، جہالت اور تنگ نظری کے حوالے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے معاصرین پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس زمانے میں علم کتابوں میں ہے اور عالم قبروں میں ہیں۔ یہ ظاہری علماء بادشاہی حضور و قرب کے متلاشی، طلب معاش، طلب خورد و نوش میں لگے رہتے ہیں۔ یہ بمنزلہ مزدور ہیں۔ نفس امارہ کی قید میں ہیں۔ دنیاوی درجوں کے لیے نماز استخارہ پڑھتے ہیں لیکن الا اللہ کی معرفت اور جناب پیغمبر خداؐ کی مجلس کا رُخ نہیں کرتے۔ اور چک زمین زراعت فصل ربیع اور فصل خریف کے لیے اس قدر افسوس اور آہ و زاری کرتے ہیں کہ دنیا جہاں کو اپنی طرف بلا لیتے ہیں۔ دنیاوی طلب بدعت کی جڑ ہے اور طلب الٰہی ہدایت کی بنیاد ہے۔ اہل بدعت اور اہل ہدایت کی ہم نشینی راس نہیں آتی۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ شیطان تمھارا دشمن ہے۔ اس سے خبردار رہو۔ دنیا سے دل ہٹالو۔ نفس امارہ کی متابعت نہ کرو۔ جو شخص قرآن شریف کے خلاف کرتا ہے وہ عالم باعمل اور وارث انبیاء ہے نہ کامل فقیر باطن صفا ہے'' (27)۔

علماء پر سلطان باہوؒ کا ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ علم نے انہیں بے جا قسم کے فخر و غرور کا شکار بنا دیا ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے سلامتی اور ہدایت کی راہ تیاگ دی ہے (28)۔ عالمگیری دور کے علماء کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ علماء گدھوں کی طرح کتابوں کا بوجھ اُٹھائے گلیوں میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں، جہاں ان کی مادی خواہشات کی تسکین کا امکان ہو، وہاں بڑے بڑے مسئلے بیان کرتے ہیں (29)۔ یہ راہِ حق سے ہٹے ہوئے لوگ ہیں اور اپنے مکر و فریب کے جال میں لوگوں کو پھنساتے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ لوگ اہل حضور ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اصل میں وہ صداقت اور خدا سے دور رہتے ہیں۔

علمائے ظاہر کے مقابلے میں سلطان باہوؒ فقیر کا تصور پیش کرتے ہیں۔ جہاں علماء لذاتِ نفس و دنیا میں مبتلا ہو کر نفس پروری کرتے اور لذتِ یادِ الٰہی سے بیگانہ رہتے ہیں۔ وہاں فقرا شب و روز یادِ خدا میں غرق ہوتے ہیں (30)۔ یہ سوال اُٹھاتے ہوئے کہ فقیر اور عالم میں کیا فرق ہے، سلطان باہوؒ خود ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ:

''فقرا ہمیشہ ذوق وشوق، غرق و استغراق میں رہتے ہیں اور علماء تحقیق مسئلہ مسائل اور بحث و مباحثہ میں رہتے ہیں۔ علوم وفنون ومسئلہ مسائل قبر سے جدا ہو جاتے ہیں اور یاد الٰہی ہمیشہ کے لیے فقیر کے ہمراہ ہوتی ہے ور قبر میں بھی اس کی رفیق بنتی ہے، کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ فقرا صاحب معرفت اور اہل توفیق ہوتے ہیں۔ علماء وفقہا سلاطین و امراء کے ہم نشین ہوتے ہیں اور فقرا خدا کے ہم نشین ہوتے ہیں'' (31)۔

فقیر کا ہر قدم شرع کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ کسی حال میں بھی سنت نبویؐ کو ترک نہیں کر سکتا۔ (32) علماء کی مخالفت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ سلطان باہوؒ خود علم کو ناپسندیدہ کرتے ہیں۔ صوفیوں میں ایسے گروہ موجود رہے ہیں جو علم کو بذاتہ بُرا تصور کرتے تھے۔ تاہم سلطان باہوؒ ان میں سے ایک نہیں ہیں۔ علماء کی مخالفت اصل میں اپنے عہد کے مدعیان علم کے کردار کے مشاہدے اور تجزیے سے پیدا ہوئی تھی۔ جہاں تک خود علم کی اہمیت کا تعلق ہے سلطان باہوؒ اس کا پوری طرح اعتراف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا کی تلاش بھی بغیر علم کے محال ہے۔ جاہل اپنے نفس کا غلام ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی جبلتوں سے ماورا ہو کر حق وصداقت کی یافت کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ علم دین اور دنیا دونوں میں فلاح کے لیے ناگزیر ہے۔ دونوں جہان کی نعمت علم ہے۔ شیطان کا قاتل علم ہے۔ مسلمان کنندہ علم ہے۔ نفس امارہ کے لیے صحت جان ہے۔ آتش دوزخ کے لیے ڈھال ہے۔ علم سے ظاہری باطنی تمام اسرار منکشف ہوتے ہیں (33)۔ علم ہی دینی اور دنیاوی نجات کا وسیلہ ہے۔ علم کی اہمیت مسلم ہے لیکن عمل کے بغیر دیوانگی ہے (34)۔ علم اور عالم میں جدلیاتی اضافت موجود ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر بے معنی ہیں۔ سلطان باہوؒ کہتے ہیں کہ اگر تمام عالم عامل بھی ہوں، سچ بولیں اور حلال کھائیں اور محض خدا کی خاطر علم حاصل کر کے دوسروں کے لیے نیک عمل کی مثال بنیں تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے (35)۔ جہالت سے بدتر شے دنیا میں اور کوئی نہیں ہے لیکن عمل کے بغیر علم بانجھ عورت کی طرح ہے (36)۔ عمل سے ہمارے دانشور کی مراد ظاہری عمل نہیں۔ اسے وہ منافقت قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ عالم اور علم کے درمیان وجودی تعلق کے قائم ہونے کی خواہش کرتے ہیں۔ جہاں علم نہ تو تجریدی رہتا ہے اور نہ ہی فرد سے اس کا تعلق منافقت کا تعلق ہوتا ہے بلکہ وہ فرد کی ذات کا حصہ بن کر اس کی نشوونما اور ترقی میں رہنما بنتا ہے۔

علم سے بے خبری کے عالم میں انسان نفس امارہ کا غلام بن کر زندہ رہتا ہے۔ وجود کی یہ وہ سطح ہے جہاں انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ انسان حیوان ہی کی طرح اپنی جبلتوں اور بلاواسطہ ضرورتوں کی تسکین کی خاطر مصروف رہتا ہے۔ سلطان باہوؒ نے نفس امارہ کو انسانی وجود میں بمنزلہ یزید قرار دیا

ہے(37)۔ان کے نزدیک انسان کی زندگی کا حقیقی نصب العین یہ ہے کہ وہ اس پست سطح حیات سے بلند ہو کر اپنی ذات کے روحانی امکانات کی تکمیل کرے اور یوں وجود کی اعلیٰ ترین سطح تک رسائی حاصل کرے۔ قرآنی نفسیات کی اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے سلطان باہوؒ نے وجود کی اس سطح کو نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے۔(38)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کو سی حرفی کا موجد و بانی مانا گیا ہے۔آپ کے کلام کی خاص پہچان اور امتیازی وصف ہر بند کے آخر میں 'ھو' کا استعمال ہے اور آپؒ کی شہرہ آفاق سی حرفی کا سب سے معروف اور زبان زدِ عام بند ''الف اللہ چنبے دی بوٹی'' ہے:

الف اللہ چنبے دی بوٹی، مرشد من وچ لائی ھو
نفی اثبات دا پانی مِلیُس، ہر رگے ہر جائی ھو
اَندر بوٹی مشک مچایا، جاں پھُلن تے آئی ھو
جیوے مرشد کامل باہو، جیں ایہہ بوٹی لائی ھو (39)

اُن کے ہاں منافقت، دورنگی اور ریا کے خلاف شدید ردِ عمل پایا جاتا ہے۔وہ بے ادب عالموں اور جاہل زاہدوں اور تارکِ دنیا لوگوں کے اخلاص، احسان اور خالص نیت کے بغیر اعمال کو بے کار قرار دیتے ہیں۔

تسبی پھیری تے دل نہ پھریا کی لیناں تسبی پھڑ کے ھو
پڑھیا علم تے ادب نہ سکھیا، کی علم نوں پڑھ کے ھو
چلّے کٹّے تے کُجھ نہ کھٹیا، کی لیناں چلیاں وڑ کے ھو
جاگ بناں دُدھ جمدے نہ باہو، بھانویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ھو(40)

تسبیح داتوں کسبی ہوئیوں، ماریں دم ولیہاں ھو
من دا منکا ہک نہ پھیریں، گل پائیں پنج ویہاں ھو
دیون لگیاں گل گھوٹو آوی، لِون لگے جھٹ شینہاں ھو
پتھر چت جنہاں دے باہو، اُتھے ضائع وسنا مینہاں ھو(41)

اسلامی تصوف میں صوفی، متصوف اور مستصوف کی اصطلاحات معروف ہیں۔مقامات سلوک طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ جانے والے کو صوفی کہا جاتا ہے، جو ابھی صوفیانہ طریق کو اختیار کر کے اس راستے

میں کوشش کر رہا ہو اسے متصوف کہتے ہیں۔مگر جو نہ صوفی ہو اور نہ اس نے صوفیانہ طریقہ اختیار کیا ہو بلکہ جو دنیا کا مال و متاع اور مرتبہ وعزت حاصل کرنے کے لیے محض ظاہری وضع قطع اور لباس وغیرہ سے فریب کاری کر کے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرے وہ مستصوف کہلاتا ہے(42)۔ایسے مستصوفین یعنی جھوٹے صوفیوں کی مذمت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

؎ جے رب ناتیاں دھوتیاں ملدا،تاں ملدا ڈڈواں مچھیاں ہو
جے رب لمیاں والاں ملدا،تاں ملدا بھیڈاں سسیاں ہو
جے رب راتیں جاگیاں ملدا،تاں ملدا کال کڑچھیاں ہو
جے رب جتیاں ستیاں ملدا،تاں ملدا داندان خصیاں ہو
اِنہاں گلاں رب حاصل ناہیں باہو،رب ملدا دِلیاں ہچھیاں ہو(43)

قرآنِ حکیم کی درجِ ذیل آیات ملاحظہ ہوں

**مثل الذین حُمّلوا التورٰةَ ثم لم یحمِلوھا کمثل الحمارِ یحمِلُ اسفارا . (44)**

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔

**ولا تشتروا باٰیٰتی ثمناًقلیلا.(45)**

اور میری آیات کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔

**ان الذین یشترون باٰیٰت اللہ ثمناًقلیلاً اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار.(46)**

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

اسی طرح قرآنِ حکیم کی کئی اور آیات میں مندرجہ بالا مضمون بیان ہوا ہے جو بنیادی طور پر علمائے سُو کے گھناؤنے کردار کی نشاندہی اور ان کے انجام بارے میں ہیں۔حضرت باہوؒ کے کلام میں ان کے عہد علمائے سو اور درباری ملاؤں کے کردار کچھ اس طرح ہے۔

؎ حافظ پڑھ پڑھ کرن،تکبر ملاں کرن وڈیائی ہو
ساون مانہہ دے بدلاں وانگوں،وتن کتاباں چائی ہو

جتھے ویکھن چنگا چوکھا، پڑھن کلام سوائی ہو
دوئیں جہانیں مُٹھے باہو، جنہاں کھادھی ویچ کمائی ہو (47)

شاعر کی صوفیانہ دانش جس کو بعض دانشوروں نے دیہاتی دانش (Visdom) قرار دیا ہے، ملاحظہ کیجیے۔

چڑھ وے چناں تے کر روشنائی، ترا ذکر کریندے تارے ہو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے، لعلاں دے ونجارے ہو
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے ک، ککھ جنہاں تھیں بھارے ہو
تاڑی مار اُڈانہ باہو، اسیں آپے اُڈن ہارے ہو(48)

نال کُسنگی سنگ نہ کریے، کُل نوں لاج نہ لایئے ہو
تُمے، تربوز، مول نہ ہوندے، توڑے توڑ مکے لے جایئے ہو
کاں دے بچے ہنس نہ تھیندے، توڑے موتی چوگ چُگایئے ہو
گوڑے کھوہ نہ مِٹھے ہوندے باہو، توڑے سئے مناں کھنڈ پایئے ہو (49)

دل دریا سمندروں ڈوگھے، کون دِلاں دیاں جانے ہو
وِچے بیڑے، وِچے جھیڑے، وِچے وَجھ مُہانے ہو
چوداں طبق دِلے دے اندر، تمبو وانگوں تانے ہو
جیہڑا دل دا محرم باہو، سوئی رب پچھانے ہو(50)

حضرت سلطان باہوؒ کے کلام کے حوالے سے ایک بہت بڑی زیادتی یہ ہوئی ہے کہ رچناوی لہجے سے ناواقف کلام باہو کے اکثر مرتبین نے اسے ماجھی پنجابی لہجے کے الفاظ واصوات کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جس کی وجہ سے اوزان میں بھی فرق آیا ہے اور مفاہیم ومعانی کہیں سے کہیں جا پہنچے ہیں۔ مثلاً مندرجہ بالا بند ہی میں ملاحظہ کیجیے، رچناوی لہجے میں ''ڈوگھے'' بولا جاتا ہے جبکہ گانے والے اور کئی مرتبین نے اسے ''ڈونگھے'' لکھا ہے اور پڑھا ہے، اسی طرح لفظ ''وجھ'' کو ''ونجھ'' لکھا اور پڑھا جاتا ہے جو غلط ہے، اسی کی کئی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح کلامِ باہو کے کئی شارحین نے فاش اغلاط کی ہیں۔ لہجے اور زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر الفاظ کا مفہوم کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے، مثلاً ''ہتھاں، تھاں یا تھایاں'' کا رچناوی زبان میں معنی باورچی خانہ یا کھانا پکانے اور برتن رکھنے کی جگہ ہوتا ہے جبکہ اس کو لہجے سے ناواقفین'

ہاتھ' یا 'جگہ' سمجھتے ہیں، ''جاں'' کا معنی ''جب'' ہے جبکہ اس کا مطلب 'جان' سمجھا جاتا ہے اور لفظ ''بھی'' کا معنی ''اور زیادہ ہو جانا یا بڑھ جانا'' ہے جبکہ لہجے سے ناواقف اس کا مطلب اردو والا ''بھی'' سمجھتے ہیں، حضرت باہو کا فقرہ ''بھی طالب ہوون زردے ہو' اسی کی نمائندگی کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح کے دیگر درجنوں الفاظ کی مثالیں دی جا سکتی ہیں، جن کے غلط معنے کیے جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صحیح لہجے کے ساتھ اس کے اصوات و معانی کا درست ادراک کر کے کلامِ باہوؒ کو ترتیب دیا جائے۔ اور پھر اسی طرح رائج کیا جائے۔ یہ جہاں شاعر کا حق ہے وہیں اس لافانی کلام سے کما حقہ استفادہ کرنے کا درست طریقہ بھی۔

تاریخِ تصوف اس بات پر گواہ ہے کہ صوفیاء اپنے زمانے میں رائج تمام دینی و دنیاوی علوم سے بدرجۂ کمال واقف ہوتے ہیں، چنانچہ بے علم صوفی کے بارے میں یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں:

علموں باجھ جو فقر کماوے، کافر مرے دیوانہ ہو

سئے وریہاں دی کرے عبادت، رہے اللہ توں بیگانہ ہو

غفلت توں نہ کھلسن پردے، دل جاہل بت خانہ ہو

میں قربان تنہاں توں باہو، جنھاں ملیا یار یگانہ ہو (51)

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت سلطان باہوؒ علم، علماء اور شریعت کے مخالف قطعی طور پر نہیں تھے۔ وہ بھی صوفیاء و سالکین کے اس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو راہِ طریقت پر چلنے کے لیے علم کے حصول اور شریعت کی پاسداری کو از حد ضروری سمجھتے تھے۔ علمائے سو اور منافقت پر مبنی رویّے جنکو مفاد پرستوں نے ہمیشہ علم دوستی اور شریعت کی آڑ لے کر اپنے مفاداتِ رذیلہ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے، ان کی مذمت علم، علماء اور شریعت کی مخالفت نہیں ہے۔

# حوالہ جات وحواشی


(1) قریشی، عبدالغفور، پنجابی ادب دی کہانی، پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ص 258 ،
ممتاز بلوچ، ھودے بیت، کلام تے حیاتی حضرت سلطان باہوؒ، سانجھ، لاہور، ص 12
پاکستان کے صوفی شعراء اکادمی ادبیات پاکستان، ص 133

(2) حضرت سلطان باہوؒ، رسالہ رُوحی، شبیر برادرز اردو بازار لاہور، ب ت

(3) اقبال صلاح الدین (مرتب) لعلاں دی پنڈ، ص ۵۰۴۔

(4) مثلاً شاہ ولی اللہؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور دیگر کئی بزرگ

(5) سید اولاد علی گیلانی، اولیائے ملتان، ص ۲۴۹

(6) ڈاکٹر لاجونتی کرشن رام، پنجابی دے صوفی شاعر، پنجابی ترجمہ، ص ۷۱، (حاشیہ)

(7) سلطان حامد، مناقب سلطانی، اردو ترجمہ، ص ۴۳-۴۴۔

(8) سلطان باہو محکم الفقراء خورد، اردو ترجمہ اللہ دالے تاجر کتب ملک چنن دین، لاہور ص ۱۸،

(9) ایضاً ۴۵۔

(10) محمد اقبال محمد، ابیات حضرت سلطان باہو، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور، ص ۱۲۶۔ سلطان باہو،
الطاف علی، ابیات باہو، ص

(11) سلطان باہوؒ گنج الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۳

(12) محمد اقبال محمد، ابیات حضرت سلطان باہو، ص ۲۰۱

(13) ایضاً، ص ۲۰۲

(14) ایضاً، ص ۲۰۳

(15) قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۱

(16) سلطان باہو محکم الفقراء خورد، اردو ترجمہ، ص ۲۹

(17) ایضاً، ص ۲۳، ۲۴

(18) ایضاً

(19) اقبال محمد اقبال، ابیات باہو، ص ۸۸، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۳۷، ۱۵۵، ۲۰۴ -

(20) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، اردو ترجمہ، ص ۳۷۔

(21) سلطان باہو، عین الفقراء، اردو ترجمہ، ص ۲۵۔

(22) سلطان باہو، کشف الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۶۔

(23) سلطان باہو، بیدار، اردو ترجمہ، ص ۵۵-۵۶۔

(24) ایضاً، ص ۵۶

(25) سلطان باہو، توفیق ہدایت، اردو ترجمہ، ص ۸۔
(26) سلطان باہو، حجت الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۷۔
(27) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، اردو ترجمہ، ص ۲۵۷-۲۵۸۔
(28) سلطان باہو، الطاف علی، ابیات باہو، ص ۱۶۵۔
(29) ایضاً، ص ۲۹۳۔
(30) سلطان باہو، حجت الاسرار، ص ۱۲۔
(31) ایضاً، ص ۱۳۔
(32) ایضاً، ص ۱۲۔
(33) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، ص ۷۔
(34) سلطان باہو، عین الفقراء، ص ۷۵۔
(35) سلطان باہو، کلید التوحید کلاں، ص ۱۰۔
(36) ایضاً، ص ۱۹۰۔
(37) سلطان باہو، التوحید کلاں، ص ۱۷۵۔
(38) قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، ص ۱۴۵-۱۶۵
(39) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۱۵ - ممتاز بلوچ، ھودے بیت، سانجھ، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۷۹
(40) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۶۶، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۰۳
(41) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۶۲، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۰۳
(42) بخاری، سید تنویر، اسلامی اخلاق وتصوف، ایور نیو بک پیلس اردو بازار، لاہور، ص ۱۵۰، ۱۵۱
(43) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۸۳، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۰۹
(44) سورۃ الجمعۃ ۶۲: ۵
(45) سورۃ البقرہ ۲: ۴۱
(46) سورۃ آل عمران ۳:
(47) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۹۳، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۱۹
(48) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۹۱، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۱۹
(49) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۱۹۷
(50) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۹۵، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۲۴
(51) محمد اقبال محمد، ابیاتِ باہو، ص ۱۳۸، ممتاز بلوچ، ھودے بیت، ص ۲۸۲